اقوال زریں

حضرت عثمان غنیؓ

- دوسروں کا بوجھ اٹھانا عابدوں کی عبادت سے بڑھ کر ہے۔
- جو لوگوں کی برائی کے لیے وقت نکالتا ہے وہ بڑا آنگن گرا ہے۔
- مسلمانوں کی ذلت اپنے دین سے غفلت میں ہے نہ کہ مٹھلی میں۔
- جس نے لوگوں کا حق نہ جانا اس نے خدا کا حق نہ جانا۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA NEW DELHI

اقتدار پر اخلاقیات کی برتری

جمہوریت

مغرب سے درآمد ایسی طرز حکمرانی ہے جسے اگر اس کی مکمل روح کے ساتھ نافذ کیا جائے تو معاشرہ میں ترقی، خوش حالی، امن و امان اور چین وسکون کا دور دورہ ہوتا ہے اور ملک کا ہر شہری حکمرانی میں خود کو بالواسطہ شریک محسوس کرتا ہے، اس کے برخلاف اگر جمہوریت کو صرف حکومت سازی اور اقتدار کا ذریعہ سمجھا جائے تو وہی ہوتا ہے جو گزشتہ ایک دہائی سے ہندوستان میں نظر آرہا ہے۔ اقتدار کیلئے مطلوب جادوئی ہندسہ یک رسائی کیلئے سیاسی جماعتیں اخلاقی پستی کی ازلی سطح پر جا پہنچتی ہیں۔ سیاسی کھلاڑی کسی کام پر دھوکے باز، بدعنوان، جرائم پیشہ افراد کو قتل، اغوا، عصمت دری، ڈاکہ زنی، منشیات فروشی جیسے گناہ کے جرائم میں ملوث افراد کی گندگی بھی اپنے دامن میں سمیٹ لیتی ہیں۔ حکومت میں آنے کے بعد جمہوریت کا بستر سمیٹ کر طاق پر رکھ دیا جاتا ہے۔ حکمرانی کا کردار دیکھ کر جمہوریت خواب وخیال محسوس ہونے لگتی ہے۔ جمہوری اخلاقیات کا تصور یک دم ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن مغرب جہاں سے ہم نے جمہوریت مستعار لیا ہے۔ آج بھی اسے مکمل روح کے ساتھ نافذ رکھنے میں کامیاب ہے۔ بدعنوانی، اقربا پروری۔ بے جا طرفداری اور مذہب وذات پات کی بنیاد پر سیاسی اکثریتی طبقہ کی تشکیل جیسے اژدھے قابو میں ہیں اور معاشرہ اپنی تمام تر اخلاقی کمیوں، خامیوں وکھلے پن کے باوجود جمہوریت اور اچھی حکمرانی کے ثمرات سے بہرہ ور ہو رہا ہے۔

یہ جمہوریت کا ہی فیضان ہے کہ ایک معمولی سی غلطی کی وجہ سے برطانیہ عظمیٰ کے وزیراعظم بورس جانسن کو استعفیٰ دینا پڑ گیا ہے۔ استعفیٰ دینے کے بعد نو ان کے ماتھے پر کوئی شکن آئی ہے اور نہ اقتدار کو اڈیہ دینے کا کوئی غم ان کے چہرے پر جھلک رہا ہے۔ اس کے برخلاف بورس جانسن اپنی غلطی پر نادم ہیں اور اپنے ملک کو یورپ کا سب سے خوشحال ملک بنانے کے عزم کا اظہار کر رہے ہیں۔ بورس جانسن کے استعفیٰ کی وجہ ان کا ایک غلط فیصلہ بنا۔ انہوں نے اپنی کنزرویٹو پارٹی کے رکن پارلیمنٹ کرسٹوفر جان پنچر (کرس پنچر) کو پارٹی کا ڈپٹی چیف وہپ آفیسر مقرر کر دیا تھا جن پر جنسی بدتمیزی کا الزام تھا۔ ان کے اس فیصلہ کی وجہ سے ان کے رفقائے کار اور کابینہ کے اراکین ناراض ہو گئے۔ ہر چند کہ کرس پنچر کو بھی گزشتہ ہفتے کنزرویٹو پارٹی کے رکن پارلیمنٹ کی حیثیت سے معطل کر دیا گیا تھا۔ لیکن گزرتے دنوں کے ساتھ ساتھ ساتھی وزرا کی ناراضگی بڑھتی گئی اور کئی ایک وزرا نے استعفیٰ تک دے دیا۔ مستعفی ہونے والے وزرا کا الزام ہے کہ بورس جانسن نے کرس پنچر کے خلاف الزامات کو جانتے ہوئے جان بوجھ کر ان کو پارٹی میں اعلیٰ عہدے پر تعینات کیا۔ وزیراعظم جانسن نے بھی اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے پنچر کی تقرری پر عوامی طور پر معذرت کی۔ انہوں نے یہ اعتراف بھی کیا تھا کہ پارلیمنٹ کے ایک ذاعدار رکن کو حکومت میں اہم عہدے پر مقرر کرنا غلط تھا۔ لیکن ان کا یہ اعتراف اور معافی بھی کابینی رفقا کی ناراضگی دور کرنے میں ناکام رہی اور کابینہ کے بیشتر اراکین نے ان کے خلاف بغاوت کر دی۔

برطانیہ کے وزیراعظم بورس جانسن کے خلاف ان کے ساتھیوں کی یہ ناراضگی اور بغاوت سیاست اور جمہوریت میں اقتدار پر اخلاقیات کی برتری کی روشن مثال ہے۔ اس کے برخلاف ہندوستان میں جمہوریت کا منظر نامہ کچھ اور ہی ہے۔ یہاں تو بدعنوان، گھناؤنے اور سنگین جرائم میں ملوث افراد کو چن چن کر نہ صرف انتخاب میں امیدوار بنایا جاتا ہے بلکہ کامیابی کے بعد ان کے سروں پر وزارت کا تاج بھی سجایا جاتا ہے اور پھر ایسے وزیر باندمیر جوگی کہلاتے ہیں، اس کا نمایاں ہندوستان کے عوام کو بھگتنا پڑتا ہے۔ اس طرح کی مثالوں سے ہندوستانی سیاست کی تاریخ بھری پڑی ہے اور گزشتہ ایک دہائی کے دوران یہ سلسلہ عروج پر ہی محسوس ہوتا نظر آرہا ہے۔ ارکان پارلیمنٹ کی وفاداری خریداری، اغوا، چوری، ڈاکہ زنی اور دیگر گھناؤنے اخلاقی جرائم میں ملوث ہونے کا الزام ہے تو کابینہ کے وزرا اور ان کے ارکان خاندان پر عام لوگوں کو گاڑی سے کچل کر ہلاک کرنے کا بھی سنگین الزام ہے۔ اس کے باوجود یہاں راہی چین لکھ رہا ہے۔ مرکز ہو یا ریاست کابینہ کے اراکین کی بغاوت سب سے اونچی کرسی تک پہنچنے کیلئے ہوتی ہے اور ناراضگی بھی اچھے محکموں اور وزارت تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال چند دن قبل مہاراشٹر میں دیکھنے کو ملی ہے جہاں اعوضا کر کے کابینہ کے ایک رکن ایکناتھ شندے نے وزارت علیا کی کرسی پانے کیلئے نہ صرف خود بغاوت کی بلکہ اپنے ساتھ ساتھ درجنوں ارکان اسمبلی کو بھی بغاوت پر اکسایا۔ مہاراشٹر جیسے کئی واقعات ملک کی کئی دوسری ریاستوں میں بھی پیش آچکے ہیں جہاں جمہوریت کا نام لے کر جمہوریت کی روح پر وار کیا گیا اور ایک منتخب حکومت گرا کر دوسری غیر اخلاقی اور غیر جمہوری حکومت قائم کی گئی۔ سیاسی منافقت اور اقتدار کی اس نرتب اور ہوس پر اگر اخلاقیات کا پہرہ نہیں لگایا گیا تو ہندوستان میں جمہوریت بھی اچھے دن نہیں دیکھ سکے گی۔ خود کو جمہوریت کا علم بردار سمجھنے والی سیاسی جماعتوں اور ان کے قائدین کو بورس جانسن کے استعفیٰ سے ضرور سبق لینا چاہیے۔

edit2sahara@gmail.com

تعلیم اور طب: زبانی جمع خرچ

ڈاکٹر وید پرتاپ ویدک

وارانسی میں اکمل بھارتیہ شکشا سماگم میں تقریر کرتے ہوئے وزیراعظم نریندر مودی نے برطانوی نوآبادیاتی نظام تعلیم پر دوٹوک تنقید کی اور ملک بھر کے ماہرین تعلیم سے درخواست کی کہ وہ ہندوستانی تعلیمی نظام کو تحقیق پر مبنی بنائیں تاکہ ملک کی معاشی اور سماجی ترقی میں تیزی آسکے۔ جہاں تک کہنے کا تعلق ہے، وزیراعظم نے بالکل درست کہا ہے لیکن موجودہ وزیراعظم اور سابقہ تمام وزرائے اعظم سے کوئی پوچھے کہ انہوں نے تعلیمی میدان میں کون سی ضروری اور انقلابی تبدیلیاں کی ہیں؟ گزشتہ 75 برس میں ہندوستان میں تعلیم کا ڈھانچہ وہی ہے جو تقریباً 200 سال قبل انگریزوں نے ہندوستان پر مسلط کیا تھا۔ ان کی تعلیم کا مقصد صرف جی حضور بابوؤں کی جماعت بنانا تھا۔ آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ ہمارے پڑھے لکھے لیڈر اس کا زندہ ثبوت ہیں۔ ملک کے کتنے لیڈر صرف ڈگری ہولڈر ہیں اور کتنے واقعی پڑھے لکھے اور دانشور ہیں؟ اسی لیے وہ نوکر شاہوں کی نوکری کرنے کے لیے مجبور ہوتے ہیں۔ ہمارے بیوروکریٹس بھی انگریز کی نقل کے ہی بنے ہیں۔ وہ خدمت نہیں، حکومت کے لیے کرسی حاصل کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں رسمی جمہوریت تو قائم ہے، لیکن حقیقت میں استعماریت ہمارے رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہے۔ وزیراعظم فخر سے کہہ رہے ہیں کہ ان کے دور حکومت میں اسپتالوں کی تعداد میں 70 فیصد اضافہ ہوا ہے لیکن ان سے کوئی پوچھے کہ ان اسپتالوں کی حالت کیا ہے اور ان میں کن لوگوں کو علاج معالجے کی سہولیات میسر ہیں؟

جائزہ

انگریزوں کا بنایا ہوا یہ طبی نظام اگر فائدہ مند ہے تو اسے ضرور قبول کیا جانا چاہیے، لیکن کوئی یہ بتائے کہ 75 برس میں آیورویدا، نیچروپیتھی، ہومیوپیتھی، یونانی نظام طب میں کتنی ترقی ہوئی ہے؟ ان میں تحقیق کرنے اور ان کی لیبارٹریوں پر حکومت نے کتنی توجہ دی ہے؟ گزشتہ 100 سال میں مغربی ایلوپیتھی نے تحقیق کے ذریعے اپنے آپ کو بہت آگے بڑھا لیا ہے اور ان کے مقابلے میں تمام روایتی علاج پیچھے رہ گئے ہیں۔ اگر ہماری حکومتیں تعلیم اور طب کی تحقیق پر زیادہ توجہ دیں اور ان دونوں بنیادی کاموں کو اپنی زبان میں عمل کریں تو آنے والے چند ہی برس میں ہندوستان دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کے مقابلے میں سینہ تان کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ اگر تعلیم اور طب، دونوں سستی اور قابل رسائی ہوں تو ملک کے کروڑوں لوگ روزمرہ کی دھوکہ دہی سے تو بچیں گے ہی، ہندوستان جلد ہی سپر پاور اور پوری طرح خوشحال بھی بن سکے گا۔ دنیا میں جتنے بھی 8 سے 10 ممالک طاقتور اور خوشحال سمجھے جاتے ہیں، اگر آپ ان کا باریک بینی سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ گزشتہ 100 برس میں ہی وہ ویسے بنے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی تعلیم اور طب پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔

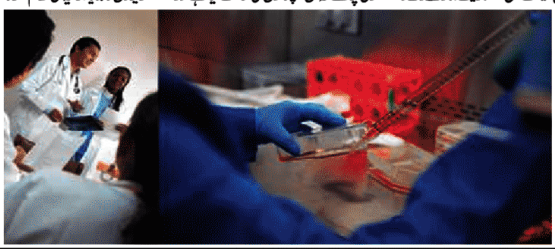

اگر ہماری حکومتیں تعلیم اور طب کی تحقیق پر زیادہ توجہ دیں اور ان دونوں بنیادی کاموں کو اپنی زبان میں مکمل کریں تو آنے والے چند ہی برس میں ہندوستان دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کے مقابلے میں سینہ تان کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ اگر تعلیم اور طب، دونوں سستی اور قابل رسائی ہوں تو ملک کے کروڑوں لوگ روزمرہ کی دھوکہ دہی سے تو بچیں گے ہی، ہندوستان جلد ہی سپر پاور اور پوری طرح خوشحال بھی بن سکے گا۔ دنیا میں جتنے بھی 8 سے 10 ممالک طاقتور اور خوشحال سمجھے جاتے ہیں، اگر آپ ان کا باریک بینی سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ گزشتہ 100 برس میں ہی وہ ویسے بنے ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی تعلیم اور طب پر سب سے زیادہ توجہ دی ہے۔

(مصنف ہندوستان کی خارجہ پالیسی کونسل کے چیئرمین ہیں)

dr.vaidik@gmail.com

دنیا کو اب کسی ناٹو کی نہیں، اتحاد برائے بقائے باہم کی ضرورت

عبدالسلام عاصم

وقت آگیا ہے کہ اب اقوام عالم کے ذمہ داران اپنے محدود مفادات کے نام پر ایک دوسرے کے خلاف اتحادی اور محوری نوعیت کے فوجی اور اقتصادی بلاک، پیکٹ، الائنس قائم کرنے کے بجائے محبت، بھائی گفت اور بقائے باہم کے جذبے سے امداد باہمی کے رُخ پر ایک ایسا اتحاد قائم کریں جس سے فطرت کے اَن تقاضوں کی تکمیل ہو جنہیں سمجھنے کا ہر قدم صرف علم کی راہ میں اٹھایا جا سکتا ہے۔ بصورت دیگر ایسا ہر اتحاد غیر انسانی صف بندیاں ہی سامنے لائے گا جس کا ہم قبائل کے زمانے سے سامنا کرتے آرہے ہیں اور آئندہ بھی کم از کم اُس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک یہ کہنے کی ضرورت تصور کی حد میں رہے گی کہ: جو دلوں کو فتح کرلے وہی فاتح زمانہ۔

معلوم تاریخ میں عالمی اور علاقائی سطح پر مختلف اقوام اب تک جتنے معاہدات سے گزری ہیں، اُن میں سب سے پرانے اتحاد اینگلو پرتگالی الائنس سے مشرق وسطیٰ میں شامی اور قوانتوی معاہدۂ (ناٹو) کی طرز پر زیر تنذکرہ مکمّلہ عرب فوجی اتحاد تک کہیں کوئی ایسی گنجائش نظر نہیں آتی جن میں محدود اندیشوں پر لامحدود امکانات کو ترجیح دی گئی ہو۔ وارسا پیکٹ نہ تو سابق سوویت یونین کو متحد رکھ سکا اور نہ ناٹو سے قربت یوکرین کو میدان جنگ میں تبدیل ہونے سے بچا سکی۔ ماضی قریب میں ناوابستہ ممالک نے عدم تاوابستگی کی جو نظریہ پیش کیں وہ بھی اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔

ایسے میں عرب ناٹو کے قیام کے امکانات کے حوالے سے جتنی تیزی سے افواہیں گردش کر رہی ہیں، اتنی ہی سُرعت کے ساتھ اُسے ضرورت گردانے یا مسترد کرنے کا اخباری کاروبار بھی شباب پر ہے۔ عرب ناٹو اتحاد میں چونکہ اسرائیل کو بھی شامل بتایا بلکہ بھی اتحاد کو مستردکیا جا چکا ہے جس میں اسرائیل شامل ہو۔

تجزیہ

ایسے میں دیکھا جائے تو سعودی شہر نیوم میں اسرائیل اور اہل سعودی قیادت کے مذاکرات کا تعلق خطے میں امریکی اتحادیوں کی نئی صف بندی سے ہی تھا۔ یہ خبر بظاہر شعوری طور پر عام کی گئی تھی جس کے لیے عجب نہیں کہ سعودی رضامندی حاصل کی گئی ہو! ورنہ خبر افشا ہونے پر سعودی اعتراض کیوں سامنے نہیں آیا!! اب آیئے دیکھتے ہیں واقعات کی اس ترتیب میں فلسطینی کاز کہاں اور کس حال میں ہے۔ فلسطینی کاز کے تئیں سرد مہری اور فلسطینی قیادتوں سے حسب تقاضہ معاملات کی عرب ملکوں کی سیاسی روش سے بھی باخبر ہیں۔ سعودی ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان نے چند سال قبل مبینہ طور پر یہ کہہ دیا تھا کہ فلسطینیوں کو شکایات چھوڑ کر اس کو قبول کرنا چاہیے۔ ان کے اس تبصرے پر فلسطینیوں کی طرف سے احتجاج کیا گیا تھا۔ بعد ازاں سعودی شاہ سلمان نے فلسطینی صدر محمود عباس کے ساتھ ملاقات میں فلسطین کی حمایت کی تصدیق کرنے کی کوشش کی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ شاہ سلمان اور محمد بن سلمان کے درمیان تب سے ہی اختلافات بڑھتے جا رہے ہیں۔ ایک اور سعودی شہزادے بندر بن سلطان السعود نے 2020 میں العربیہ کو ایک انٹرویو کے دوران فلسطینی قیادت پر اس کی ناکامیوں کیلئے تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ فلسطینی کاز ایک منصفانہ کاز ضرور ہے لیکن اس کی وکالت کرنے والے ناکام ہیں۔ دوسری طرف اسرائیلی کاز غیر منصفانہ ہے لیکن اس کے وکلا کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔

ویسے بھی قوموں اور خطوں کے مشترکہ کاز کے نام پر محدود مفادات کی تکمیل کا کھیل ہی فی زمانہ اصل سیاست رہی ہے اور یہی شعبدہ نہ صرف پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کا سبب بنا تھا بلکہ سرد جنگ کے زمانے سے تہذیبوں کے تصادم کے موجودہ عہد تک بھی یہی موقع پرستانہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ سابق امریکی صدر ڈونالڈ ٹرمپ کے زمانے میں بعض عرب ملکوں کے ساتھ اسرائیل کے ابراہمی معاہدات کی کوشش میں بظاہر ابتدائی کامیابی اور موجودہ امریکی صدر جو بائیڈن کے مشرق وسطیٰ کے قریب الوقوع دورے کے موقع پر ''عرب ناٹو'' کے قیام کے امکان کی گنجائشوں کا جائزہ لینا کوئی ایسی کہانی نہیں جس کا پلاٹ پہلے سے تیار نہ کیا گیا ہو۔ فلسطین، اسرائیل اور ایران کے نام پر متذکرہ خطے میں عربوں کی سیاست نے امریکہ کو جس طرح الجھا کر رکھا تھا۔ سرد جنگ کے بعد کے بدلتے عالمی تقاضوں سے متاثر عالمی سیاست اور اُس کی وجہ سے بدلے ہوئے اقتصادیات کو متاثر کرنے والے حالات میں افغانستان سے نجات کے بعد امریکہ اب مشرق وسطیٰ کا بوجھ بھی اپنے کندھے سے اتارنا چاہتا ہے۔ افغانستان سے انخلا کا تجربہ نئے محاذ پر امریکہ کو کن پیش بندیوں کے ساتھ آگے بڑھنے کی تحریک دیتا ہے، یہ وقت بتائے گا۔

فوجی، نیم فوجی اور اقتصادی معاہدات کے اس منظر نامے میں اب تک جن عناصر، حلقوں اور طاقتوں نے رنگ بھرا ہے بظاہر وہ لوگ ایک عالمی انسانی سماج کے حق میں کتنے ہی عقلیت پسند کیوں نہ ہوں، بباطن وہ مسلسل اپنے عزائم کے غلام چلے آرہے ہیں۔ دوسروں کو روشن خیالی کا سبق پڑھانے والے اور اپنے یہاں مہاجروں کو پناہ دینے والوں نے بھی کبھی کسی فتح کی ایسی داستان نہیں لکھی جس میں نفرت اور انتقام کے نام پر پہنچے والے خون کے بجائے افہام وتفہیم کے رُخ پر اذہان کو روشن کرنے والی روشنائی استعمال کی گئی ہو۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ بڑی طاقتیں کن وجوہات کی بنا پر چھوٹے اور فوجی اعتبار سے کمزور ممالک کے ساتھ فوجی اتحاد قائم کرتی ہیں۔ اس کا دوٹوک جواب ایک یہی چلا آرہا ہے کہ اس طرح وہ نام نہاد ترقی پذیر ملکوں کے اہم وسائل تک رسائی اور اپنی سرحدوں کو محفوظ کر کے ہر دوسرے کی سرزمین کو تیسرے کے خلاف استعمال کرنے کی سہولت چاہتی ہیں۔

یہ سلسلہ دہائیوں پر نہیں صدیوں پر محیط ہے۔ چونکہ زندگی مسلسل ارتقا کے سفر میں ہے، اس لیے ہر عہد کا اندازہ نئے عہد کو سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جب ہم موجودہ عہد پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم انسانی تاریخ کے ایک ایسے نازک موڑ پر ہیں، جو وسیع پیمانے پر متضاد مستقبل کا باعث بن سکتا ہے۔ ایسے میں حالات سے باشعور طور پر بیزار حلقوں کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ فرار پسندی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے رابطوں کے ذریعہ ایک ایسے اتحاد کے رُخ پر حکومتی اور نظریاتی فیصلہ سازوں کی حوصلہ افزائی کریں جو کسی امکانی خطرے یا بظاہر دشمن کے خلاف نہ ہو بلکہ بقائے باہم کو فروغ دینے کیلئے ہو۔ اس سمت میں طویل مدتی سوچ کے ساتھ عین مطابق منصوبہ بندی کی جائے تاکہ تمام تر اندیشوں کے باوجود موجودہ اور نئی نسل کے حق میں متفی مستقبل سامنے نہ آئے اور اُن کیلئے مثبت رُخ پر آگے بڑھنے کے بہتر مواقع پیدا ہوں۔

زندگی مسلسل ارتقا کے سفر میں ہے، اس لیے ہر عہد کا اندازہ نئے عہد کو سمجھنے میں معاون ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جب ہم موجودہ عہد پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ہم انسانی تاریخ کے ایک ایسے نازک موڑ پر ہیں، جو وسیع پیمانے پر متضاد مستقبل کا باعث بن سکتا ہے۔ ایسے میں حالات سے باشعور طور پر بیزار حلقوں کی کوشش یہ ہونی چاہیے کہ وہ فرار پسندی کی راہ اختیار کرنے کے بجائے رابطوں کے ذریعہ ایک ایسے اتحاد کے رُخ پر حکومتی اور نظریاتی فیصلہ سازوں کی حوصلہ افزائی کریں جو کسی امکانی خطرے یا بظاہر دشمن کے خلاف نہ ہو بلکہ بقائے باہم کو فروغ دینے کیلئے ہو۔

(مضمون نگار یو این آئی اردو کے سابق ادارتی سربراہ ہیں)

salam.asim@yahoo.com

آئینہ

جزو ایماں ہے صفائی یاد رکھنا مومنو!
ہر عبادت کے لیے لازم ہے یہ پاکیزگی
عیدالاضحیٰ پر رکھیں اس بات کا قائم لحاظ
ایسے قربانی کریں پھیلے نہ ہرگز گندگی

ضمیر ہاشمی

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

مراسلات

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

زبانی لغزش

مکرمی!

اداریہ 'فتنہ انگیز راتیں' کے ضمن میں عرض ہے کہ بلا تفریق مذہب وفرقہ، ہر ذی عقل وباشعور انسان اس خیال سے متفق ہوگا کہ آج ملک عزیز میں جو نفرت کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش جاری ہے وہ حق اظہار رائے RIGHT TO EXPRESSION کے غلط استعمال کا نتیجہ ہے جو نہ صرف طریقی حالات ہے بہ کہ یہ سب کچھ اتفاقیہ طور پر یا غلطی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس کے پس پشت عنصر ایک مخصوص ومنظم فکر وسوچ کا احساس ہوتا ہے کیونکہ منتخبین، بخوبی واقف ہوتے ہیں کہ ان کے متاثر بیانات والفاظ کسی طبقہ کے مذہبی جذبات مجروح کرنے کا سبب ہوں گے لیکن وہ پھر بھی بازنہیں آتے۔ بیشتر تنازعات مذہبی اور کسی فرقہ کے عقائد سے متعلق معاملات پر غیر مطلوب وغیر ضروری بیان بازی سے پیدا ہوتے ہیں۔ عام حالات میں تو اکثر سیاسی رہنما اپنی غلط بیانی کے سبب پیدا کسی تنازع میں ملوث ہو جانے کے بعد اسے رفع دفع کرنے کی غرض سے کئی تاویلات پیش کرتے ہی مثلاً 'میرا مقصد کسی کے جذبات مجروح کرنا ہرگز نہ تھا'، 'میرے الفاظ کو غلط اقتباس میں پیش کیا گیا' یا 'میرے الفاظ کو توڑ موڑ کر پیش کیا گیا' وغیرہ۔ لیکن بعض افراد اپنے غلط موقف پر قائم رہتے ہیں۔ باوجود اس حقیقت کے کہ ہمارا ملک ایک جمہوری ملک ہے جہاں ہر شہری کو یکساں حقوق حاصل ہیں جن میں اظہار رائے بھی شامل ہے، تاہم ہماری قدیم تہذیب وتمدن کثیر الجہتی نوعیت کی حامل ہے جہاں الگ الگ عقائد، مذاہب، مسالک، رنگ ونسل کے لوگ صدیوں سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ساتھ رہتے آئے ہیں۔

لہٰذا، ہمارے سیاسی رہنماؤں کو چن پر ملک میں امن وامان، بھائی چارہ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی قائم رکھنے کی ذمہ داری زیادہ عائد ہوتی ہے کو عوامی سطح پر کوئی اظہار رائے کرنے سے قبل یہ ملحوظ خاطر رکھنے کی اشد ضرورت ہے کہ ان کی ذرا سی زبانی لغزش کے شدید مہلک وناقابل تلافی نتائج برآمد ہو سکتے ہیں اور اگر ایسا حصول شہرت کے ایما سے کیا جاتا ہے جس کا خمیازہ پورے ملک کو بھگتنا پڑے تو یہ کسی بھی زاویہ نظر سے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ سابق بی جے پی ترجمان نوپور شرما کی ہرزہ سرائی کے سبب پیدا حالیہ نتائج ہمارے سامنے ہیں اور اب ایک نیا تنازع جنوبی ہند کی معروف خاتون فلم ساز لیلیٰ تنامنی میکالی کی دستاویزی فلم 'کالی' کے مبینہ قابل اعتراض پوسٹر پر کچھ تنظیموں کے اظہار برہمی کے بعد ٹی ایم سی کی خاتون رکن پارلیمنٹ مہوا موئترا کے بیان پر بھی ہنگامہ جاری ہے۔ اداریہ کی رائے قابل اتفاق ہے کہ ملک کے وسیع تر مفادات اور قیام امن وامان نیز رشتہ شرکی خاطر اگر مہوا موئترا صاحبہ فتنہ انگیز راتی کے راستہ سے احتراز کرتیں تو بہتر تھا!

اظہر علی خاں - شرافت منزل، کوٹوالان، رامپور-1

سماجی اور سیاسی طور پر متحد ہوں

مکرمی!

مسلمانوں کو پہلے تعلیمی، سیاسی، سماجی اور ذہنی طور پر کمزور کیا گیا، اب بلڈوزر کے ذریعہ معاشی طور پر کمزور کیا جا رہا ہے، ہم اب اور کمزور ہوئے تو ہمارا وجود باقی نہیں رہے گا، اس لیے ہر شعبہ میں ترقی کے لیے مضبوط منصوبہ بندی کر کے میدان میں آنا ہوگا، موجودہ حکومت کھلے عام قانون اور اصولوں کے خلاف جا کر سیدھے طور پر مسلمانوں کو نشانہ بنا رہی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ سماج کی بھلائی کے لیے انفرادی اور اجتماعی طور پر منظم ہو کر مشکلات اور مصائب کا سامنا کیا جائے، مسلمانوں کی ترقی کے لیے مذہبی اور سیاسی طور پر ایک قیادت وجود میں آئے، جو قیادت بزدلانہ اور غلامانہ سوچ ندر کھتی ہو بلکہ جرأت وبیباکی کے ساتھ قوم وسماج کا ہر محاذ پر دفاع کر سکے۔

محمد وسیم

ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر وپبلشر **ضیاء قادری** نے سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن پریس C-2,3,4، سیکٹر-11 نوئیڈا میں چھپوا کر اور 706-705 ساتویں منزل، نورگ ہاؤس، 21 کے جی مارگ، نئی دہلی سے شائع کیا۔
Printed & Published by **Zia Qadri**, on behalf of **Sahara India Mass Communication** and Printed at **Sahara India Mass Communication Press**, C-2, 3, 4, Sector-11, Noida and published at 705-706, VIIth Floor, Navrang House, 21 K.G. Marg, New Delhi
Chief Executive Officer & Editor in Chief : **Upendrra Rai** چیف ایگزیکیٹو آفیسر و ایڈیٹر ان چیف: اپیندر رائے
Editor & Group Editor: **Abdul Majid Nizami** (editor.nizami@gmail.com) Resident Editor: **Md. Fakhre Imam** (fimam16@gmail.com) * ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی ■ ریزیڈنٹ ایڈیٹر: محمد فخر امام *
For Editorial/News: rsahara1@gmail.com ■ Advertisement (National): ■ 9891773434, 9899452476, 9711050868 Email: adsahara@gmail.com
ٹیلی فون نمبر دہلی دفتر: 23352368، 011-23352369، ٹیلی فون نمبر نوئیڈا آفس: 0120-2444755, 2598419، سرکولیشن: 0120-2598274
www.roznamasahara.com
R.N.I. No.71627/99 Roznama Rashtriya Sahara (New Delhi) Regd.: UP/GBD-208/2021-2023 سال: 23 شمارہ نمبر: 8229
* اس شمارہ میں شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں